



کیا افغانستان کا مسئلہ حل ہونے کے قریب ہے

مفتی منیب الرحمن

آج کل پوری دنیا اور خاص طور پر ہمارے وطن عزیز اور گرد و پیش کے خطے میں یہ سوال زیر بحث ہے کہ آیا ”افغانستان کا مسئلہ حل ہونے کے قریب ہے“، اس کا حقیقت پسندانہ جواب یہ ہے: ”ہنوز دلی دور است“۔ انگریزی کا محاورہ ہے: ”There are many slips between the cup and the lips“، کسی نے اس کا خوب ترجمہ کیا ہے: ”ہزاروں لغزشیں حائل ہیں لب تک جام آنے میں“۔ غالب نے کہا ہے:

دام ہر موج میں ہے حلقہء صد کام نہنگ دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک
اگرچہ ہماری مخلصانہ دعا ہے کہ کل کی بجائے آج اور آج کی بجائے ابھی یہ مسئلہ حل ہو جائے، کیونکہ یہ مسئلہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں اور افغانستان کے لیے جتنا اہم ہے، اتنا ہی پاکستان کے لیے اہم ہے۔ 1979 میں افغانستان میں سوویت یونین کی دراندازی سے لے کر اس کے انخلا اور پھر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی دراندازی سے لے کر آج تک پاکستان نے اس کی بھاری قیمت چکانی ہے، دوستوں کے اعتماد کو زک پہنچائی اور جن کے لیے یہ سب کچھ کیا، اُن کی طرف سے بے اعتمادی، دھوکہ دہی، منافقت اور دروغ گوئی کے طعنے ملے۔

یہ ایسا کبیل ہے، جس سے جان چھڑانا ہمارے لیے آسان نہیں ہے، ہم الگ تھلگ ہو کر گوشہٴ عافیت میں بیٹھنا بھی چاہیں، تو تب بھی ہمارے لیے جائے امان نہیں ہے، کیونکہ اس مسئلے میں افغانستان، امریکہ اور اس کے اتحادیوں سمیت، روس، ایران، ہندوستان اور گرد و پیش کے دیگر ممالک بھی ملوث ہیں اور اب سی پیک کی وجہ سے پر امن افغانستان چین کی بھی ضرورت ہے، کیونکہ جب تک افغانستان میں امن قائم نہیں ہو جاتا، اس وقت تک گوادر پورٹ کو سنٹرل ایشیا کے راستے یورپ سے منسلک کرنے کے خواب کو تعبیر نہیں مل سکتی۔ گوادر پورٹ اگر منصوبے کے مطابق فعال اور متحرک ہو جاتی ہے تو اس کے دینی کی مرکزیت پر بھی اثرات مرتب ہوں گے، لہذا اُن کی بھی اس پر گہری نظر ہے۔ چین کے صوبہ سنکیانگ میں اویغور مسلمانوں کا مسئلہ بھی جہادی فکر سے جڑا ہوا ہے اور چین سمجھتا ہے کہ اگر افغانستان میں حقیقی معنی میں امن قائم ہو جائے تو پھر اس خطے میں جہادیوں کے لیے کوئی محفوظ پناہ گاہ نہیں رہے گی اور چین کی مشکلات آسان ہو جائیں گی۔

یہ درست ہے کہ امریکہ سترہ سالہ جنگ، جدید سامانِ حرب اور اپنے اتحادیوں کی پوری حمایت کے باوجود افغانستان میں اپنے

مقاصد پورے کرنے میں ناکام رہا، جب کہ اس عرصے میں اس کے جنگی اخراجات کا تخمینہ ٹریلینز یعنی سینکڑوں ارب ڈالر میں ہے، اب امریکہ کو اس جنگ سے نکلنے کے لیے کوئی آبرو مند اندہ راستہ چاہیے۔ صدر ٹرمپ کی خواہش اپنی جگہ، لیکن امریکہ کے انٹیلی جنس ادارے اور پینٹاگون افغانستان سے مکمل طور پر اپنے اڈے ختم کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔

تحریک طالبان افغانستان ماضی میں حامد کرزئی اور اب اشرف غنی کی حکومت کو اپنا حریف ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، وہ انہیں امریکہ کا کٹھ پتلی قرار دیتے ہیں اور یہ کہ امریکہ کی آشیر باد کے بغیر ان کو افغانستان میں قرار و دوام نہیں مل سکتا اور ان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تحریک طالبان افغانستان کا بنیادی مطالبہ غیر ملکی قابض افواج کا اخلا ہے، کیونکہ قانون بین الاقوام اور مسلمہ جمہوری اقدار کی رو سے ان کے لیے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے، لیکن خود امریکہ کے اندر بھی افواج کے مکمل اخلا اور اپنے فوجی اڈے ختم کرنے کے حوالے سے کوئی اتفاق رائے موجود نہیں ہے۔

تاہم سترہ سال بعد پہلی مرتبہ امریکہ کا طالبان کو اپنا حقیقی حریف مان کر چھ روز تک اُن سے براہ راست سنجیدہ مذاکرات کرنا اور کسی حد تک انہیں خوش آئند قرار دینا، یہ طالبان کی بہت بڑی کامیابی ہے، کیونکہ ماضی میں امریکہ طالبان کو صرف ایک دہشت گرد گروپ قرار دیتا رہا ہے، مگر اب وہ انہیں مسئلہ افغانستان کا اصل اسٹیک ہولڈر ماننے کے لیے عملاً آمادہ ہو گیا ہے، یہ امریکہ کی طرف سے اپنے سابق موقف میں لچک اور جھکاؤ کا واضح ثبوت ہے۔ بھارت اور ایران اس صورت حال پر تشکر اور چڑھوں گے اور وہ بھی اپنے مہرے تیار کرنے اور نئی چالیں چلنے کے لیے کوئی نہ کوئی منصوبہ بندی یقیناً کر رہے ہوں گے۔ روس کی بھی خواہش ہوگی کہ امریکہ افغانستان میں اُس جیسے انجام سے دوچار ہو اور اس حوالے سے امریکہ کی برتری کا تاثر ختم ہو جائے، لہذا اُس کا بھی طالبان سے یقیناً کسی نہ کسی سطح پر رابطہ ہوگا اور کوئی بعید نہیں کہ وہ انہیں کسی نہ کسی طریقے سے سامانِ حرب بھی فراہم کرتا ہو، چین بھی طالبان کے ساتھ روابط قائم کیے ہوئے ہے، کیونکہ اب اس خطے میں اُس کے اقتصادی مفادات اور مستقبل کے امکانات بہت زیادہ ہیں، لہذا وہ بھی اپنے آپ کو ایک اہم اسٹیک ہولڈر سمجھتا ہے۔ لیکن اُسے جنگ میں جتلا افغانستان کے بجائے ایک پر امن افغانستان زیادہ مطلوب ہے، اُسے سنٹرل ایشیا اور آگے روس اور یورپ تک پر امن تجارتی راہداری درکار ہے، وہ اُس پورے خطے کو اپنی تجارتی منڈی بنانا چاہتا ہے۔ اس وقت چین جدید سائنس اور ٹیکنالوجی میں ارتقا کے مرحلے سے گزر رہا ہے، وہ اپنے آپ کو فضاؤں میں اور عالمی سمندروں میں امریکہ کے مقابل فوجی قوت بنانے میں مصروف ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو ایک برتر عالمی اقتصادی قوت بھی بنا رہا ہے، کیونکہ سوویت یونین کے زوال سے اُس نے یہ سبق حاصل کیا کہ اقتصادی قوت کے بغیر محض سامانِ حرب کے بل پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

امریکہ کی خواہش ہے کہ اگلے مرحلے میں طالبان اشرف غنی حکومت کے ساتھ بھی براہ راست مذاکرات کریں، افغانستان کے واحد اسٹیک ہولڈر نہ بنیں، بلکہ آئین و قانون یعنی امریکہ کے قائم کردہ نظمِ اجتماعی اور ہیبتِ مقتدرہ کو تسلیم کرتے ہوئے اُس میں حصہ بقدرِ بچہ کے مطابق حصے دار بنیں۔ اس مطالبے پر اترنا طالبان کے لیے آسان نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں انہیں اپنی بالادستی اور برتر حیثیت کو قربان کرنا پڑے گا اور یہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف طویل جنگ کے مقاصد اور جواز کی نفی کے مترادف ہوگا۔ حزبِ اسلامی کے سربراہ انجینئر گلبدین حکمت یار نے یہی حکمتِ عملی اختیار کی، لیکن ظاہر ہے کہ اب اُن کی وہ حیثیت نہیں ہے، امریکہ تحریک طالبان کو



افغانستان کا بالادست اسٹیک ہولڈر اور اپنا حریف ماننے پر مجبور ہو گیا ہے، اُس نے گلبدین حکمت یار کو یہ حیثیت کبھی نہیں دی، جناب حکمت یار شرف غنی حکومت کے ساتھ براہ راست معاہدہ کر کے افغانستان میں منظر عام پر آئے اور اب آنے والے ممکنہ صدقاتی انتخابات میں اُن کی حیثیت کا تعین ہوگا، جبکہ طالبان شاید ہی اُن کے دستوری ڈھانچے کو قبول کرنے پر آمادہ ہوں، اُن کا موقف یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی افغانستان سے نکل جائیں، بعد میں افغانوں کے تمام فریق اپنے معاملات کو خود طے کریں۔

ہمارے ہاں کے صحافتی و دانشور حلقے اور تجزیہ نگار تحریک طالبان افغانستان کی حقیقی قوت کا ادراک کرنے میں شاید غلط فہمی کا شکار ہیں، کیونکہ اُن کے نزدیک یہ ایک مذہبی طبقہ ہے اور یہ ملک کو ماضی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، یہ قدامت پسند اور دقیا نوسی ہیں، یہ جدید عہد کے ساتھ چلنے کے اہل نہیں ہیں۔ اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگرچہ طالبان کی قیادت علماء کے پاس رہی ہے، لیکن اس کے اثرات پورے معاشرے پر محیط ہیں، اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ ایک پختون اسلامک موومنٹ ہے، جس میں تقریباً سارے پشتون قبائل شامل ہیں اور یہ اُن کی قومی آزادی کی تحریک ہے۔ یہی سبب ہے کہ انہیں وسیع پیمانے پر مقامی آبادی کی حمایت حاصل ہوتی ہے، وہ انہیں محفوظ پناہ گاہیں بھی فراہم کرتے ہیں اور شاید ان کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔ نیز یہ تیر و کمان اور تلوار سے جنگ نہیں کر رہے، بلکہ جدید سامان حرب سے دنیا کی جدید ترین حربی طاقت کا مقابلہ کر رہے ہیں، ان کے پاس جدید اسلحہ کو استعمال کرنے کی تکنیک بھی ہے۔ امریکہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے جدید ترین حساس سیٹلائٹ کیمروں کے ذریعے زمین پر چند سٹی میٹر کی چیز کو بھی تلاش کر لیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود طالبان ایسی جنگی چالیں اور تدابیر اختیار کرنے میں کامیاب ہیں کہ اُن سے بچ کر اپنے ہدف کو نشانہ بنا لیتے ہیں۔ نیز جنگ افغانستان نے ثابت کیا ہے کہ جدید سائنسی اسلحہ و تکنیک بہت کچھ ہے، لیکن سب کچھ نہیں ہے اور بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی یہ جذبہ قربانی کا متبادل نہیں ہے۔

گوریلا جنگ لڑنے والوں کی برتری کا مداری ہی اس پر ہے کہ وہ آمنے سامنے کی میدانی جنگ نہیں لڑتے کہ میدان جنگ میں آریا پار کی طرح فتح و شکست کا فیصلہ ہو جائے، اس جنگ میں پہل کا موقع اُن کے پاس ہوتا ہے، وہ بی ڈرائیونگ سیٹ پر ہوتے ہیں، وہ اپنی سہولت کے مطابق اپنے ہدف کا تعین کرتے ہیں، اُس کے لیے موقع محل کی مناسبت سے تیاری کر کے اچانک حملہ آور ہو جاتے ہیں، گویا یہ دشمن کو تھکا تھکا کر مارتے ہیں، یہ بھاری جانی قیمت بھی چکاتے ہیں، جب کہ دشمن کے لیے یہی سب سے مشکل کام ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادی زیادہ سے زیادہ موت سے ڈرا سکتے ہیں، لیکن جو لوگ موت کو اپنی آرزو بنا لیں، انہیں کس چیز سے ڈرائیں گے۔ قرآن کریم نے موت کے خوف کو ہی بنی اسرائیل کی سب سے بڑی کمزوری قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اے رسول!) کہہ دیجیے! اگر دار آخرت دوسرے لوگوں کے بجائے خالص تمہارے لیے ہے، تو اگر اپنے اس دعوے میں تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو، اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے، وہ اپنے پچھلے کرتوتوں کے سبب ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، اور آپ انہیں ضرور سب لوگوں اور مشرکوں سے بھی زندگی کا زیادہ حریص پائیں گے، ان میں سے ہر ایک کی آرزو ہے: ”کاش کہ وہ ہزار سال تک جیے“ اور یہ (ہزار سالہ زندگی) بھی انہیں عذاب سے نہیں بچا سکے گی اور اللہ اُن کے تمام کرتوتوں کو خوب دیکھ رہا ہے، (البقرہ 96-99)۔ اسی مضمون کو سورہ جمعہ آیات: 8 تا 6 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔